کتاب وسنت کی دعوت دیجیے۔ سارے وسائل میسر ہیں۔ فرقوں کا نہیں، اسلام کا ترجمان بن جائیے۔ داعی حق وہ ہے جس کی جماعت کو ﴿اخرجت للناس﴾ [آل عمران] فرمایا گیا ہے۔ آپ تمام کافروں کے لیے بھی داعی ہیں۔ اس آفاقی دعوت کے ذریعے ہم سب کو جنت میں ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ ﴿ومن عمل صلحا من ذكر او انثى وهو مؤمن فاولئك يدخلون الجنة يرزقون فيها بغير حساب ○﴾ [غافر ٤٠]، ﴿ان اكرمكم عند الله اتقكم﴾ [الحجرات] دین کی پابندی کر کے عربی سے عجمی آگے بڑھ جاتا ہے۔ ہمارا دین ساری دنیا کے لیے رحمت ہے۔ اس رحمت کو پھیلانے کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں ﴿لن يدخل الجنة الا من كان هودا او نصرى﴾ [البقرة] جیسا دعویٰ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کا دروازہ کافروں کے لیے بھی کھلا رکھا ہے؛ لیکن ایمان وعمل صالح کی شرط ہے۔ ہندوؤں میں طبقہ بندی ہے: برہمن، کھشتری، شودر۔ اگر بیچارہ شودر وید کو پڑھے تو اس کی زبان کاٹ دینے کا اصول ہے۔ تقلید کا دورِ عروج تھا، تو ہمارے ہاں مسلمانوں میں بھی "خانعلوم" کا دستور رہا، یعنی سیدزادے ہی دین کا علم حاصل کر سکتے ہیں۔

اب تقلید کی شب تاریک تحقیق کی نورانی کرنوں سے صبح حقیقت شناس میں بدل چکی ہے۔ سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی نے داعی کے لیے قرآن کریم، احادیث شریفہ اور آثار سلف صالح کی تلاش میں نہایت آسانی پیدا کی ہے۔ ضرورت صرف نیک نیتی سے محنت کرنے اور حاصل محنت کو پہلے اپنے داعی بھائیوں میں، پھر دنیا بھر میں پھیلانے کی ہے۔ اپنے ہم سفر بھائیوں کو پہلے آگاہ کرنا نہایت ضروری ہے؛ تاکہ اس تحقیق میں جہاں کہیں سقم پایا جائے، تو برادرانہ خیرخواہی کے ساتھ اصلاح کی سعی کوشش کی جا سکے۔ دعوت دین میں خود داعیوں کا اتفاق نہایت ضروری ہے۔ اگر ایک داعی کسی کام کو سنت قرار دے اور دوسرا اسے بدعت کہے، تو بیچارے ان پڑھ لوگ کدھر جائیں گے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس راستے میں محنت کرنے کی ہمت اور راجح قول کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اگر نوجِ ہمارے قلوب واذہان کے کسی کونے کھدرے میں ابھی تک قدیم دورِ جاہلیت کی دلیل ﴿حسبنا ما وجدنا عليه ابآءنا﴾ [المائدة ١٠٤] کے "اسلامی ایڈیشن" یعنی "تقلید بزرگان" کا کوئی تھوڑا سا بھی اثر مستور ہے، تو اسے اخلاص وللٰہیت کے چشمہ صافی سے غسل دے کر پاک وصاف کرنے کی ضرورت ہے؛ تاکہ ہم اتباعِ سنت کا عملی نمونہ بن کر دوسروں کو حق پرستی کی تلقین کر سکیں۔ اسی صورت میں ہماری دعوت لوگوں کے لیے مشعل راہ بن کر دنیا میں ہمیں کامیابی سے ہمکنار اور روزِ قیامت کامرانی سے سرفراز کر سکے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین

فہم قرآن: قسط (۲)

ترجمہ قرآن پر رجحانات ومسالک کے اثرات

محمد رضی الاسلام ندوی

صحیح ترجمہ کی بنیادی شرائط: اہل علم نے ترجمہ قرآن کے لیے چند شرائط لازم قرار دی ہیں۔ ان میں سے کچھ شرائط کا تعلق عمل ترجمہ یا ترجمہ شدہ مواد سے ہے۔ اور کچھ مترجم کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو شرائط مترجم کی ذات سے متعلق ہیں ان میں سے دو کا تذکرہ ڈاکٹر محمد حسین ذہبی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

(۱) مترجم جس زبان سے ترجمہ کر رہا ہے اور جس زبان میں کر رہا ہے، ضروری ہے کہ وہ دونوں کا بخوبی ماہر اور ان کے اسرار ورموز سے اچھی طرح واقف ہو۔ نیز اسے دونوں زبانوں کی وضع، اسلوب اور دلالت کا اچھی طرح علم ہو۔

(۲) مترجم کسی ایسے فاسد عقیدہ کی طرف ذرا بھی میلان نہ رکھتا ہو، جو قرآنی تعلیمات سے ٹکراتا ہو۔ اس شرط کا مفسر میں بھی پایا جانا ضروری ہے؛ کیونکہ مترجم یا مفسر کا میلان اگر کسی فاسد عقیدہ کی طرف ہوگا تو وہ عقیدہ اس کے فکر ونظر پر چھا جائے گا۔ چنانچہ وہ اپنی خواہش یا رجحان کے مطابق جو کچھ تفسیر یا ترجمہ کرے گا۔ اس میں قرآنی فکر سے بہت دور نکل جائے گا۔ [التفسیر والمفسرون ۲/ ۱۷۔ ۹۰]

اردو تراجم قرآن پر رجحانات ومسالک کے اثرات:

جس طرح مفسرین کے ذوق، مزاجوں اور رجحانات کا اثر ان کی تفسیروں پر پڑا ہے۔ اسی طرح ان چیزوں کے اثرات مختلف زبانوں میں کیے جانے والے تراجم قرآن پر بھی ظاہر ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ کوئی بھی انسان لاکھ کوشش کرے؛ مگر اپنے ذوق اور رجحان سے بالکلیہ الگ نہیں ہوسکتا۔ اردو تراجم کا جائزہ لیں تو ہمیں ان میں بھی ان چیزوں کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی نے اس کی نشاندہی درج ذیل الفاظ میں کی ہے۔ "کوئی بھی عالم اپنے ذوق، مزاج اور رجحانات سے الگ نہیں ہوسکتا، اگرچہ ترجمہ قرآن میں ان کا رنگ وآہنگ شامل ہونا زیادہ خطرناک ہے۔ ترجمہ میں قرآن مجید کے مقصد ومنہج سے مطابقت رکھنا اور ذاتی رجحانات سے گریز کرنا ہر مترجم کی اولین ذمہ داری ہے؛ مگر اس کو کیا کیجئے کہ اردو تراجم قرآن کے ذخیرہ میں بھی تفسیر کی طرح مترجم کے ادبی ولسانی، ذوق فقہی ومسلکی رجحان اور کلامی رنگ کی اثر انگیزی دیکھنے کو مل جاتی ہے۔" [ترجمہ قرآن کے اسالیب اور مشکلات ص ۴۳]

نیچری رجحانات: نیچری رجحان کی نمائندہ تفسیر سرسیدؒ کی "تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان" ہے۔ اس تفسیر کا اہم ترین اور بنیادی اصول نیچری اور لا آف نیچر ہے۔

سرسید کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نظام کائنات کو چند اصول وضوابط کا پابند کیا ہے، جن میں کبھی تخلف نہیں ہوسکتا۔ اسے وہ ورک آف گاڈ (Work of God) سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسری طرف وہ قرآن کو ورڈ آف گاڈ (Word of God) قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ میں اتحاد لازمی ہے، دونوں میں ٹکراؤ نہیں ہوسکتا۔ [تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان ۱/۵]

اس بنا پر اگر قرآن کا کوئی ظاہر بیان کسی قانونِ قدرت کے خلاف معلوم ہو تو اس کی توجیہ کی جائے گی۔ اس معاملہ میں وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ توجیہ وتاویل میں عربی زبان وادب اور لغت کی کتابیں ساتھ دیں تو دیں، ساتھ نہ دیں تو بھی کوئی ایسی توجیہ کرنا ضروری ہے، جس سے ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ میں مطابقت ہوجائے۔ [تفسیری مسائل پر سرسید اور محسن الملک کے مراسلات کا مجموعہ ص ۷۴]

سرسید کے نیچری رجحان کے اثرات ان کے ترجمہ قرآن پر جابجا نظر آتے ہیں۔ مثلاً ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ کے پیدا ہونا، ان کا پیدائش کے فوراً بعد بول پڑنا، ان کے مٹی سے بنائے ہوئے پرندوں کا زندہ ہوجانا وغیرہ قانون فطرت کے خلاف ہے، اس لیے وہ ممکن الوقوع ہی نہیں۔ ذیل میں ان کے اس رجحان کی صرف ایک مثال پیش کی جارہی ہے۔

(وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا) [البقرۃ:۶۰]

عام مترجمین قرآن نے اس آیت کا مطلب یہ بتایا کہ اپنی قوم کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پانی کی دعا کرنے پر اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ فلاں چٹان پر اپنا عصا مارو، چنانچہ ایسا کرتے ہی اس چٹان سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔

لیکن سرسید کے نزدیک کسی چٹان پر عصا مارنے سے بارہ چشمے پھوٹ نکلنا، لاء آف نیچر کے خلاف ہے، اس لیے انہوں نے آیت کے لفظ "اضرب" کی تاویل کرتے ہوئے یوں ترجمہ کیا ہے۔ "(اور یاد کرو اس وقت کو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی چاہا تو ہم نے کہا کہ چل اپنی لاٹھی کے سہارے سے اس چٹان پر، اس سے پھوٹ نکلے ہیں بارہ چشمے۔" [تفسیر القرآن (تفسیر سرسید) حوالہ سابق ۱/۷۸]

عقلی رجحان: یہ نیچری رجحان کا تسلسل ہی ہے۔ باقاعدہ ایک مکتب فکر ایسا وجود میں آیا، جس نے قرآنی بیانات کو اپنی عقل کی کسوٹی پر جانچنا شروع کر دیا، اور جو باتیں اسے اپنی دانست میں عقل عام کے خلاف معلوم ہوئیں، ان کی تاویل کر کے اپنے عقلی چوکھٹے میں فٹ کرنے کی کوشش کی۔ ان لوگوں نے بظاہر ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کا نعرہ لگا کر اعلان کیا کہ تفسیر قرآن کے لیے صرف قرآن کافی ہے، دوسری کسی چیز کی ضرورت نہیں، حتیٰ کہ حدیث کی بھی نہیں۔ اس طرح انہیں کھلی چھوٹ مل گئی کہ جس لفظ کے جو معنی چاہیں بیان کریں اور جس آیت کا جو مفہوم چاہیں متعین کر دیں۔ [برصغیر میں عقلی تعبیر پسندی پر مبنی مذہبی تفکر، مجلہ پشاور اسلامیکس، جنوری۔ جون ۲۰۱۰]

اس رجحان کی ابتدا سر سید ہی سے ہوگئی تھی؛ بعد میں ''اہل قرآن'' کے نام سے جو گروہ وجود میں آیا، اس نے اسے فروغ دیا۔ اس کے نمایاں افراد میں جناب عبد اللہ چکڑالوی اور جناب غلام احمد پرویز کا نام لیا جا سکتا ہے۔

ذیل میں اس رجحان کی ایک مثال پیش خدمت ہے: (إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ) [البقرۃ: ۱۷۳] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کا تذکرہ کیا ہے، جن کا کھانا حرام ہے۔ ان میں سے ایک سور کا گوشت ہے، یہ مضمون قرآن کریم کے دوسرے مقامات [المائدۃ: ۳، الانعام: ۱۴۵، النحل: ۱۱۵] پر بھی مذکور ہے۔ تمام مترجمین (لحم الخنزیر) سے ''سور کا گوشت'' مراد لیتے ہیں؛ لیکن عبد اللہ چکڑالوی اس کا ترجمہ ''غدود کا گوشت'' سے کرتے ہیں: ''سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ تمہارے لیے حلال جانوروں کا مردہ، خون، غدود کا گوشت اور وہ جانور یا گوشت جو غیر اللہ کی طرف منسوب کیا جائے، حرام کیا گیا ہے۔''

پھر اس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''لحم خنزیر کا معنی کیا گیا ہے: ''غدود کا گوشت'' حالانکہ تمام مترجمین نے اس کا م سور کا گوشت لیا ہے۔ پہلے نمبر پر سور کا گوشت مراد لینا اس لیے غلط ہے کہ آیت مجیدہ میں ''إنما'' حصر کے ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ مردہ، خون، لحم خنزیر اور غیر اللہ کی طرف منسوب حرام ہیں۔ اس حصر کو قائم رکھتے ہوئے جانوروں میں سے صرف سور ہی حرام ٹھہرتا اور باقی سب جانور کتا، بلا، ریچھ وغیرہ حلال ٹھہرتے ہیں اور قرآن مجید میں نقیض پیدا ہوتی ہے۔ [تفسیر القرآن بالقرآن ص ۱۳۶]

غور کا مقام ہے کہ کیا کتے، بلے اور ریچھ کی حرمت کا تذکرہ صراحت سے قرآن میں ہے، کہ ''إنما'' کے حصر کی وجہ سے قرآن کے دو بیانات میں تضاد دکھا کر سور کے گوشت کو اس سے خارج کیا جا رہا ہے؟!! یہ جدت طرازی